

مسعود الحسن ضیاء *

”اسرارِ خودی“: ردِ عمل کی لہریں

مسعود الحسن ضیاء

اسرارِ خودی جس دور میں تخلیق ہوئی وہ بین الاقوامی سطح پر عجیب کشاکش اور انتشار کا دور تھا۔ بالخصوص دنیا کے اسلام سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ایک بڑے بحران سے گزر رہی تھی۔ اس دور میں جزائر مشرق الہند یعنی انڈونیشیا، ملائیشیا ڈچ اقوام کے زیرِ سایہ تھے۔ یہ قوم علمی، ادبی، سیاسی اور ثقافتی معیار پر قریب الموت تھی۔ افغانستان جہالت، قبائلی عصبیت اور تقلیدِ ملائیت کے بغیر گہرے بادلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وسطی ایشیا کے ترک مسلمان ۱۸۷۳ء سے روسی غلامی میں حالتِ جمود میں تھے۔ ایرانی ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے پھندے میں گرفتار تھے۔ ترک جو کبھی ویانا یعنی قلبِ یورپ پر دستک دیا کرتے تھے، مرید بیمار بن گئے۔ ۱۹۱۱ء میں جب اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا ترک اس کی حفاظت کی خاطر فوج روانہ نہ کر سکے۔ اور وہاں کے عالموں کا یہ حال تھا کہ انھوں نے قرآن کریم کے کسی دوسری زبان میں ترجمے کو کفر قرار دیا ہوا تھا۔ مصر پر انگریز قابض ہو چکے تھے، سوڈان میں مہدی سوڈانی شہید ہو چکے تھے۔ براعظمِ افریقہ کے عظیم ممالک الجزائر اور تونس پر فرانس قبضہ کر چکا تھا۔ اور مراکش آخری سانسوں پر تھا۔ مسلمانانِ ہند ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی ہار کر غلامی اور بے حسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ غرض عالمِ اسلام میں اسلام چند مذہبی رسومات اور فلسفہٴ کلام بن چکا تھا۔ قرآن کی تلاوت تو کی جاتی تھی مگر معنوں پر کبھی غور نہ کیا جاتا تھا۔

اقبال جو صدیوں بعد اسلام اور عالمِ اسلام کے لئے باعثِ اقبال ہوئے جب ۱۹۰۵ء میں بغرض

اعلیٰ تعلیم یورپ گئے، تو ان کی طبیعت جو ایک روحانی و ذہنی انقلاب کے دہانے پر تھی، حیزی سے انقلاب کی بلند یوں پر چلی گئی اور وہ عالم اسلام اور بالخصوص ہندوستان اور یورپ کا موازنہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اقبال جب انگلستان سے واپس آئے تو وہ ایک نیشنلسٹ ہندوستانی کی بجائے نظریہ ملت (اسلامی قومیت) کے حامی ہو چکے تھے اور عالم اسلام کی ترقی و ارتقا کے مقاصدان کے پیش نظر تھے۔ انہی محرکات کے تحت مثنوی اسرارِ خودی کی تخلیق ہوئی۔

علامہ اقبال مثنوی کی بابت عطیہ فیضی کو ۷ جولائی ۱۹۱۱ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ حضرت بوعلی قلندر کی مثنوی کی طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں۔ اس راہ کی مشکلات کے باوجود میں نے کام شروع کر دیا ہے۔^۱

شیخ اعجاز احمد مثنوی اسرارِ خودی کی تخلیق کے ابتدائی ایام کے بارے میں لکھتے ہیں: گرمیوں میں جب عدالتوں کی چھٹیاں ہوتیں تو علامہ اقبال سیالکوٹ تشریف لاتے یہ ان کا معمول تھا۔ رات کو سب لوگ چھت پر سوتے تھے۔ علامہ اور ان کے والد بزرگوار کی چارپائیوں کے درمیان حقہ بھر کر رکھ دیا جاتا اور باپ بیٹے دونوں دریک علمی گفتگو میں مشغول رہتے۔ گھر کے لڑکے جن میں شیخ صاحب بھی شامل تھے ان کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ ان بزرگوں کے بدن دباتے رہیں۔^۲

۱۹۱۳ء میں مثنوی اسرارِ خودی زیر تکمیل تھی اس لیے رات کی مجلسوں میں اسی کا ذکر رہتا۔ بعض اوقات علامہ اپنے والد کو مثنوی کے اشعار سناتے۔ ایک دن فرمایا کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو جسے رسولؐ نے پیش کیا تھا، دکھانا چاہتا ہوں کیونکہ ہندوستان کے مسلمان اس عربی اسلام کو بہت کچھ فراموش کر چکے ہیں اور عجمی اسلام کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ گفتگو کے درمیان تصوف کا ذکر چھڑ گیا۔ علامہ عجمی تصوف کے رائج الوقت مفہوم کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر ایرانی شعرا پر کڑی تنقید اور نکتہ چینی کرتے اور فرماتے انھوں نے بڑے لطیف انداز میں شعراؔ اسلام پر چوٹیں کی ہیں بلکہ ان کی تردید کی ہے۔^۳ ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

ایک رات اقبال نے خواب میں دیکھا کہ مولانا جلال الدین رومی جو فارسی کے بہت بڑے شاعر، مفکر اور عظیم صوفی بزرگ ہو گزرے ہیں خواب میں ان سے کہہ رہے ہیں کہ مثنوی لکھیں۔ اگلی صبح اقبال بیدار ہوئے تو ان کی زبان پر اردو کی بجائے فارسی اشعار جاری تھے اور

یہ ایک نئی مثنوی تھی۔^۴

اسرارِ خودی: روح کی لہریں:

اسرارِ خودی پہلی بار اپریل ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی رقم طراز ہیں کہ: مثنوی کے پہلے ایڈیشن کی ترتیب یہ تھی کہ شروع میں ایک بے نظیر مقدمہ تھا۔ جس میں علامہ نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا تھا یعنی نفیِ خودی کے نظریے کی ابتدا اور مسلمانوں میں اس کی اشاعت کے اسباب اور نتائج بیان کرنے کے بعد اسلامی تحریک کا حقیقی مقصد واضح کیا تھا۔ پھر بتایا کہ مسلمان اس مقصد سے کیونکر بیگانہ ہو گئے اور اس بیگانگی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا اور آخر میں لفظِ خودی کی تشریح درج کی تھی۔ یہ مقدمہ ہر لحاظ سے مفید تھا اور ہے لیکن علامہ نے محض اس لیے اس کو دوسرے ایڈیشن میں شامل نہیں کیا کہ وہ بہت مجمل ہے اور اجمال سے ابہام اور ابہام سے غلط فہمیوں کا دروازہ کھل سکتا ہے۔^۵

مثنوی کے پہلے ایڈیشن میں افلاطون کے ساتھ ساتھ حافظ شیرازی پر بھی تنقید کی گئی تھی۔ ان اشعار کا شائع ہونا تھا کہ علامہ پر نام نہاد اہل تصوف نے الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ ان میں سرفہرست اقبال کے دیرینہ دوست خواجہ حسن نظامی تھے۔ خواجہ حسن نظامی خود پس پر وہ رہے مگر اپنے مرید ذوقی شاہ سے اسرارِ خودی کی مخالفت میں ایک مضمون لکھوا کر ۳ نومبر ۱۹۱۵ء کے رسالہ خطیب میں شائع کروا دیا۔ ذوقی شاہ نے اپنے تنقیدی مضمون میں اس بات پر زور دیا کہ تصوف کلیتہً اسلام ہے۔^۶

اس مضمون کے جواب میں اقبال کے کسی حامی کشف کا ایک مضمون ۲۲ دسمبر ۱۹۱۵ء کے اخبار وکیل میں چھپا۔ اس مرحلے میں خواجہ حسن نظامی خود میدانِ کارزار میں اتر آئے۔ انھوں نے وکیل اخبار میں ”کشفِ خودی“ کے نام سے مضمون تحریر کیا۔ انھوں نے یورپ کے انقلاب کی مثال دی کہ وہاں مذہب کو خارج کر کے لادینی کا پرچار ہو رہا ہے۔ نادانستہ طور پر ڈاکٹر اقبال صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ خدا پرستی کے بجائے خود پرستی غالب آئے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

حافظ شیرازی کی کیسی اہم و ریزی کی ہے، کیسے کر یہ الفاظ سے ان کو یاد کیا ہے۔ اگر وہ سچے ہیں کہ حافظ کے کلام نے مسلمانوں کو کم ہمت بنا دیا تو میں پوچھوں گا کہ آنحضرتؐ نے دنیا سے مراد کی مذمت کی ہے، اس سے مسلمانوں کی ہمت نہ ٹوٹی؟ آنحضرتؐ اور صحابی دین کو مقدم

اور دنیا کو موخر کہتے تھے انھوں نے کسی کسی فتوحات کیں۔ اسرارِ خودی دنیا کو مقدم کہہ کے کیا دکھائے گی؟ اسرارِ خودی میں کن کن یورپین فلاسفوں کی روح ہے؟ اس کو ذرا سمجھ لینے دو۔ گو ہم بے علم ہیں، بے سہارا ہیں مگر دین کی حمایت میں ہم سے جو کچھ بن پڑے گا کریں گے۔ اقبال سے خدا نخواستہ دشمنی نہیں دوستی کو عقائد میں حائل ہونے کا حق نہیں۔ مسلمان اپنی مذہبی رائے میں کسی دنیاوی تعلق کا پابند نہیں ہو سکتا لہذا میں بھی نہیں ہوں۔^۷

اس کے جواب میں اقبال نے جناب شاد کو ۱۱۴ پریل ۱۹۱۶ء کو لکھا:

نہ خواہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال۔ یہ سچ جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے اُسے گا، ضرور اُسے گا۔ اور علی الرحمہ مخالفت با رآو رہو گا۔ مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے الحمد للہ^۸

خواجہ حسن نظامی نے اکبر الہ آبادی کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا یہاں تک کہ ایک خط میں اکبر الہ آبادی ۱۶ اگست ۱۹۱۶ء کو مولانا عبدالماجد دریا بادی کو لکھتے ہیں کہ:

سمجھ نہیں آتا کہ اقبال تصوف کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں^۹

اکبر الہ آبادی علامہ سہاسنی حد تک دور ہو چکے تھے جب اقبال نے انھیں رموز بیخودی بھیجی تو انھوں نے اس بابت پھر مولانا عبدالماجد دریا بادی کو ۱۱ جون ۱۹۱۸ء کو لکھا:

اقبال صاحب نے جب سے حافظ شیرازی کو اعلانیہ برا کہا ہے میری نظر میں کھٹک رہے ہیں۔ ان کی مثنوی اسرارِ خودی آپ نے دیکھی ہوگی۔ اب رموز بیخودی شائع ہوئی ہے میں نے نہیں دیکھی دل نہیں چاہا۔^{۱۰}

علامہ نے اکبر الہ آبادی کو ۱۱ جون ۱۹۱۸ء کو خط لکھا اور انھیں صفائی دی اور لکھا:

میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں مجھ سے پہلے حضرت عابد الدولہ سمنانی یہی بات لکھ چکے ہیں، حضرت جنید بغدادی لکھ چکے ہیں۔ میں نے تو شیخ محی الدین عربی اور منصور علاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سمنانی اور جنید نے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے۔ ہاں میں نے ان کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے۔^{۱۱}

پھر ۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء کو اکبر الہ آبادی کو لکھا:

زیادہ کیا عرض کروں سنا اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے عنایت کیا رحم کیجیے اور اسرار

خودی کو ایک دفعہ اول سے آخر تک پڑھا جائے۔ جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اس کی تکلیف سے اس نے آہ فریاد کی اس طرح آپ کا اعتراض مجھ کو تکلیف دیتا ہے۔^{۱۲}

جن لوگوں نے مثنوی پر اعتراضات کیے، ان میں فیروز الدین طغرائی اور شیر حسین قدوائی شامل تھے جنہوں نے اقبال کے خلاف مضامین شائع کروائے اور پیرزادہ مظفر احمد اور جہلم کے ایک ٹھیکیدار ملک محمد نے اسرار خودی کے خلاف مثنویاں تحریر کیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۲ء میں خواجہ معین الدین جمیل نے اسرار خودی کے جواب میں مثنوی سرالاسرار تحریر کی اس مثنوی پر پوری بحث اقبال دشمنی ایک مطالعہ میں پڑھی جاسکتی ہے۔^{۱۳}

تاہم مثنوی کی تعریف و تحسین بھی کی گئی۔

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے ۱۹۱۵ء میں اسرار خودی پر مفصل تبصرہ قلم بند کیا۔ لکھتے ہیں:

اقبال کا رواں ملت کا سالار ہے۔ اس کے کلام میں وہ زندگی اور طاقت ہے جسے موجودہ نسل پرانے شعرا کے کلام میں تلاش کرتی تھی لیکن بے سود۔ مجھے یہ کہنے میں مطلق باک نہیں کہ اقبال ہمارے درمیان مسیحا بن کر آیا اس نے مردوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیے ہیں۔ یہ مثنویاں ایسے غیر فانی کام کا جز ہیں جو تکمیل کے بعد اسلامی دنیا کے خواب کی صحیح تعبیر ہوگا۔ میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ یہ تصوف یعنی عجمی تصوف بعد کی پیداوار ہے اور ہمارے دین کی روح کے منافی ہے۔ اقبال کے فلسفے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اسلامی عقائد کو افلاطون کے اثرات سے پاک کر دے۔

اقبال اور آج کل کے صوفیوں کے مابین جگہ کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس نے حافظ کی شاعری پر تنقید کی، دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کل کے پیروں کی غیر اسلامی زندگی اور ان کے جرائم کی نہ صرف تاویل کی جاتی ہے بلکہ ان کو تبرک سمجھا جاتا ہے۔ اقبال نے اس طرز عمل کے خلاف بھی صدائے احتجاج بلند کی ہے۔

جب اسرار خودی شائع ہوئی تو بعض صوفی اور پیر جو روایات باطلہ کی پابندی میں گرفتار ہیں اور شریعت حق سے ناواقف ہیں اقبال کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو روغلا یا کہ اقبال کو دابر پر کھینچ دو۔ کیونکہ یہ لوگوں کو مغربی مادیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اقبال ان

لوگوں میں سے ہے جو ایک پیغام اور مقصد لے کر دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اس (اقبال) نے اپنے عصا سے چٹان پر ضرب لگائی جس سے وہ چٹھر پھٹا ہے جو بنی اسرائیل کے چشموں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔^{۱۴}

مولانا محمد علی جوہر نے بھی مثنوی اسرار و رموز کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات پر مبنی ایک مضمون قلم بند کیا جس کے کچھ حصے پیش ہیں۔

دسمبر ۱۹۱۸ء کا زمانہ تھا جب ہمارے دوست اقبال کے پاس سے یکے بعد دیگرے دو مختصر کتابیں موصول ہوئیں۔ دیگر ہندی مسلمانوں کی طرح جو واقف ہونے کے باوجود اقبال سے ناواقف تھے میں بھی برسوں سے اقبال کو جانتا تھا اور کچھ عرصے سے جب کبھی لاہور جانا ہوتا ان کا مہمان ہوتا تھا۔ اور اس بات کا مشاہدہ کرتا تھا کہ وہ اس حد تک وکالت کرتے ہیں جس سے قوت لایموت حاصل ہو سکے۔ باقی وقت وہ اپنے محبوب موضوع فلسفہ اور ادب کے مطالعے میں اور زیا دہ تر اس اثر انگیز شاعری میں صرف کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ ہندی مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کر رہے ہیں۔ جب ہم دونوں بھائیوں نے اقبال کی یہ مثنوی اسرار خودی پڑھنی شروع کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ تصنیف راہقہ کلام کے مقابلے میں بہت نیا وہ بلند پایہ ہے۔ ان کے آتش فشاں اردو کلام کے مقابلے میں ابتداً یہ مثنوی بے جان اور سرد معلوم ہوئی لیکن جو نئی پہلا باب ختم ہوا جس میں انھوں نے اپنے فلسفے کا موضوع پیش کیا ہے تو ہمیں محسوس ہوا کہ مرمر کی موتوں میں بھی حرارت رواں ہو گئی ہے۔ کامریڈ کی ضمانت کے مقدمے میں متعدد مرتبہ لاہور جانا پڑا اور میں نے ان کی زبان سے مثنوی کے بعض حصے سنے تھے۔ لیکن اس وقت میں اس کی عظمت کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ اب جب کہ پوری مثنوی کا مطالعہ کیا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ فلسفی شاعر اپنے انوکھے انداز میں اسلام کے اعلیٰ بنیادی حقائق پیش کر رہا ہے جن کا خود میں نے بڑی دشواری کے بعد ادراک کیا تھا۔

عام طور پر مسلمان تو حید کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہونے کے باوجود یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ گویا اس سے پوری طرح واقف ہیں حال آ نکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کا مفہوم ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ پوری قوت کے ساتھ تو حید کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کا میں نے بطور خود ادراک کیا تھا۔

اور اس نکتہ نظر کو اقبال نے انہی مثنوی میں از سر نو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ دنیا میں حکومت الہیہ دوبارہ قائم ہو سکے۔^{۱۵}

مولانا اسلم جیراج پوری نے اس لایعنی بحث کو ختم کیا۔ ان کا یہ مضمون ۱۹۱۹ء فروری میں لکھنؤ کے رسالہ الناظر میں شائع ہوا۔ لکھتے ہیں:

... خواجہ حافظ کے کلام کے متعلق اس قسم کی رائیں پہلے سے بھی لوگوں میں چلی آتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس کے اوّل مجرم نہیں ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت عالمگیر نے عام منادی کرا دی تھی کہ دیوان حافظ کوئی نہ پڑھے۔ نیز مولانا حالی مرحوم نے حیات سعدی میں لکھا ہے، خواجہ حافظ کی غزلیں ہمیشہ سے سامعین کو چند باتوں کی ترغیب دیتی ہیں حقیقی عشق کے ساتھ مجازی عشق، صورت پرستی اور کام جوتی کو بھی دین اور دنیا کی نعمتوں سے افضل بتاتی ہیں۔ علم و ہنر، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، زہد، تقویٰ غرض کسی شے کو نظر بازی اور شاہد پرستی نہیں ٹھہراتیں۔ وہ عقل و تدبیر، مسائل اندیشی حکیمان و وقار، تنگ و ناموس چاہ منصب وغیرہ کی ہمیشہ مذمت کرتی ہے اور آزادی، رسوائی، بدنامی وغیرہ کو جو عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں سے بہتر ظاہر کرتی ہے۔ پیرزادہ صاحب نے خودی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خواجہ حافظ کی حمایت کے جوش میں ڈاکٹر صاحب کے مفہوم کو سہولاً قصداً نظر انداز کر دیا ہے۔ خودی کا عرفی مفہوم لے کر پیرزادہ صاحب نے جو اعتراضات کیے ہیں ان تیروں کا نکتہ نہ ڈاکٹر صاحب نہیں ہیں کیونکہ لفظ خودی کا مفہوم دوسرا قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ بحث بالکل لفظی ہے۔^{۱۶}

جن دنوں اقبال کی مثنوی پر ہنگامہ کمال عروج پر تھا، علامہ سیالکوٹ تشریف لائے تو اپنے والد سے بھی اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ علامہ نے فرمایا کہ میں نے حافظ کی ذات اور شاعری پر تو حملہ نہیں کیا بلکہ ایک اصول کی وضاحت کی ہے، تو علامہ کے والد نے فرمایا۔ اگر حافظ کے عقیدت مندوں کو نخیس لگائے بغیر اصول کی تشریح کر دی جاتی تو اچھا تھا۔ علامہ نے اس کے جواب میں کہا یہ حافظ پرستی بھی تو بت پرستی سے کم نہیں، اس پر ان کے والد نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو بتوں کو بھی برا کہنے سے منع فرمایا ہے اس لیے مثنوی کے وہ اشعار جن پر عقیدت مند ان حافظ کو اعتراض ہے آئینہ اندیش میں ان کا حذف کر دینا ہی مناسب ہوگا۔ علامہ نے اس پر زبان سے کچھ نہ کہا بس مسکرا کر رہ گئے۔ اور اپنے والد محترم سے بحث کرنے کی بجائے ان کے

حضور سر تسلیم خم کر دیا اور بعد کی اشاعتوں میں وہ پینتیس ۱۳۵ اشعار حذف کر دیے۔^{۱۷}
ڈاکٹر نکلسن نے اس مثنوی کا انگریزی ترجمہ کیا تو اپنے دیباچے میں اس کا تعارف کرواتے ہوئے
جو کچھ لکھا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

اقبال نے خودی کا نظریہ پیش کر کے بتایا کہ مثالیات (idealism) اور تصوف نے مسلمانوں
کو زوال سے دو چار کیا ہے۔ اپنے آپ کو پہچاننے اور اپنی شخصیت کو نکھارنے سے مسلمان
کامیابی کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں۔ حافظ کی بے خودی سے کنارہ کر کے رومی کی گرم جوشی
اور تندی کو اپنایا جائے۔ وحدانیت کامیابی کا راستہ ہے جو کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنایا۔ ہر مسلم کا
فرض ہے کہ اپنی شخصیت کی آبیاری کرے تب ہی وہ اپنے رب کو راضی کر کے اللہ کے دین کو
کامیاب بنا سکتا ہے۔ عمومی طور پر میرا (نکلسن کا) خیال ہے کہ اسرار خودی کا مواد
قاری کو چوٹکا دینے والا ہے۔ اگرچہ شاعری میں فلسفہ مختلف پیرائے میں بیان ہوتا ہے اور
دلیل شعر کے پردے میں چھپی ہوتی ہے اس کا دل نواز انداز دماغ سے پہلے دل پر قبضہ کر
لیتا ہے۔^{۱۸}

اسرار خودی کے انگریزی میں ترجمے کے بعد انگلستان کے دانشور مسٹر نکلسن نے اس پر کڑی
تنقید کی جس کا اقبال نے جواب دیا۔ نکلسن اقبال کو مغربی فلاسفر کا مقلد سمجھتے تھے۔ نکلسن کہتے ہیں:
... اسی دوران اقبال کی توجہ ٹٹھے اور برگساں کی طرف منعطف ہوئی۔ اقبال نے مکمل
شخصیت کا تصور میک ٹیگرٹ سے لیا۔ ... وجود کا فلسفہ شخصیت کی تعبیر سے عبارت ہے اس کی
تکمیل عشق سے ہوتی ہے انجام کار بجائے اس کے کہ انسان خدا میں جذب ہو جائے خدا کی
ذات انسان میں جذب ہو جاتی ہے۔ اقبال ”ہمہ اوست“ کے شدید مخالف ہیں جو کہ افلاطون
کے فلسفے نیز تصوف کا بطلان ہے۔ ... مندرجہ بالا نظریہ صرف فلسفہ دانوں کا میدان ہے لیکن
اقبال کی اڑان یہاں تک محدود نہیں بلکہ وہ دو قدم آگے بڑھ کر سیاست کے میدان میں داخل
ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا ہے محمدؐ ان کے پیغمبر ہیں اور قرآن ان کی بائبل
ہے۔ جوان کو یہی سبق سکھاتی ہے کہ اسلام قرونِ اولیٰ والا عروج حاصل کر لے۔ لہذا
مسلمانوں کا نو جوان طبقہ اقبال کا دیوانہ ہے۔ ... اگرچہ اقبال کا پیغام آفاقی ہے لیکن صرف
اہل اسلام کے لیے ہے باقی لوگ یا غیر متعلق رہیں یا اسلام کے دائرے میں آئیں۔ ...
مغرب والوں کا خیال ہے کہ شاید مشرق والوں کی دانش کوئی راستہ دکھائے لیکن اقبال کے

فرمان کے مطابق مشرق والے ہتھیار اٹھالیں اور مغرب کو فتح کر لیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ قتل و غارت و تباہی، کیا یہی اقبال کا فلسفہ ہے؟^{۱۹}

اقبال نے ان سب باتوں کا جواب (نکلسن کے نام ایک طویل خط میں دیا جو کہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء کو لکھا گیا):

شفیع کے نام آپ کے خط سے مجھے یہ جان کر از حد مسرت ہوئی کہ اسرار خودی کے ترجمے کی انگلینڈ میں بہت پذیرائی ہوئی۔ تاہم بعض انگریز تبصرہ نگاروں کے کبیرے اور نظفے کے بعض خیالات کی سطحی مشابہت سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اینتھینیم (Athenaeum) کے نامہ نگار کے خیالات بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہیں جس کے لیے اسے بھی ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اسے اگر میری ان اردو نظموں کی تاریخ اشاعت معلوم ہوتی جن کا اس نے اپنے تبصرے میں حوالہ دیا ہے تو میری ادبی سرگرمیوں کے نشو و ارتقا سے متعلق اس کا زاویہ نگاہ بالکل مختلف ہوتا۔ وہ انسانِ کامل کے بارے میں میرے نظریے کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکا۔ اور اس نے غلط بحث کر کے اسے جرمن مفکر کے نظریہ فوق البشر سے ملا دیا ہے۔ بیس سال سے اوپر عرصہ ہوا جب میں نے انسانِ کامل کے صوفیانہ تصور پر ایک مضمون لکھا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ میں نے فیضی کے خیالات نہ ابھی پڑھے تھے نہ سنے تھے۔^{۲۰}

اس مکمل بحث کے بعد بھی کچھ لوگ یہ تصور کریں کہ اقبال تصوف کے خلاف ہیں تو ان کے لیے آخر میں یہ دو حوالہ جات کافی ہیں۔

۱۔ اہل اللہ سے اقبال کی ارادت مندی شروع ہی سے تھی اور آخر عمر تک قائم رہی۔ اس سال مولانا تاج الدین (ناگپوری) سے اشتیاق ملاقات پیدا ہوا۔ حکیم اجمل خاں دہلوی اور بعض دیگر احباب سے ان کی تعریف سنی۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام چند خطوط میں اس شوقِ ارادت کا اظہار کیا ہے لیکن یہ ملاقات نہ ہو سکی۔ شاد کو خط لکھتے ہیں:

میرا قصد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ بعض وجوہ سے تجدیدِ بیعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ مجذب ہیں مگر آج کل زمانہ بھی مجاذب کا ہے۔ بہر حال اگر مقدر میں ہے تو ان شاء اللہ ان سے مشکل کا حل ہوگا۔^{۲۱}

۲۔ نیا زالدین خاں کے یہ لکھنے پر کہ انھیں خواب میں نبی کریمؐ کی زیارت نصیب ہوئی،

اقبال لکھتے ہیں:

اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے... میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں۔ اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کا گوارہ ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔ ۲۲

۱ مسال یعنی ۲۰۱۵ء میں اسرارِ خودی کی اشاعت کو ایک سو سال مکمل ہو چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فکرِ اقبال سے استنباطِ فیض کے لیے اس مثنوی کے مضامین کو ایک بار پھر موضوعِ مطالعہ بنایا جائے تاکہ فکرِ اقبال کی مکمل تفہیم ممکن ہو سکے۔

حوالہ جات

- * اویب و اقبال شناس، ۲۳۳۔ بی، جنرل آفیشل کالونی، ماڈل ٹاؤن، بی، بہاول پور۔
- ۱۔ شیخ عطاء اللہ مرتب اقبال نامہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۴۶۔
- ۲۔ غلام حسین ذوالفقار، اقبال کا ذہنی ارتقا (لاہور: مکتبہ خیابان، ۱۹۷۸ء)، ص ۵۱۔
- ۳۔ فقیر سید وحید الدین، روزِ گذر فقیر جلد دوم (لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۴۱۸-۴۱۹۔
- ۴۔ خرم علی شفیق، سلسلہ آسمان کتبہ اسرار و رموز (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۔
- ۵۔ جاوید اقبال، زندہ رود جلد دوم (لاہور: سان)، ص ۲۲۱۔
- ۶۔ ایضاً، ص ۲۲۲۔
- ۷۔ ایضاً، ص ۲۲۳۔
- ۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ص ۷۵۔
- ۹۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح اسرارِ خودی (لاہور: نشر پبلیشنگ ہاؤس، سان)، ص ۳۳۔
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۳۵۔
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۳۸۔
- ۱۲۔ اقبال نامہ، ص ۳۹۱-۳۹۲۔
- ۱۳۔ پروفیسر اویب صابہ، اقبال دشمنی ایک مطالعہ (لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص ۲۱۵-۲۵۲۔
- ۱۴۔ شرح اسرارِ خودی، ص ۵۶، ۵۵، ۲۳۔

- ۱۵۔ ایضاً، ص ۵۳، ۵۲، ۵۱۔
- ۱۶۔ مولانا اسلم جیراج پوری، المناظر لکھنؤ (فروری ۱۹۱۹ء)۔
- ۱۷۔ فقیر سید وحید الدین، ص ۳۲۹۔
- ۱۸۔ آراے نکلسن، *The Secrets of the Self* (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۲ء) ص vii-xxxix۔
- ۱۹۔ رفعت حسن، *The Sword and the Sceptre* (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء)، ص ۲۸۸۔
- ۲۰۔ اقبال نامہ، ص ۳۳۹۔
- ۲۱۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گیم شدہ کڑیاں (لاہور: ہم آقبال، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۷۹۔
- ۲۲۔ اقبال نامہ، ص ۵۸۲۔

مآخذ

- اقبال، جاوید، زندہ رود۔ جلد دوم۔ لاہور: سان۔
- پوری، مولانا اسلم جیراج۔ المناظر لکھنؤ (فروری ۱۹۱۹ء)۔
- چٹھی، پروفیسر یوسف سلیم۔ شرح اسرار خودی۔ لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، سان۔
- حسن، رفعت۔ *The Sword and the Sceptre*۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء۔
- ذوالفقار غلام حسین۔ اقبال کا ذہنی ارتقا۔ لاہور: مکتبہ خیابان، ۱۹۷۸ء۔
- شفیق خرم علی۔ سلسلہ آسان کتب: اسرار و رموز۔ لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۰ء۔
- صابر، پروفیسر ایوب۔ اقبال دشمنی ایک مطالعہ۔ لاہور: بنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء۔
- عطا اللہ، شیخ۔ مرتبہ اقبال نامہ۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء۔
- قریشی، محمد عبداللہ۔ حیات اقبال کی گیم شدہ کڑیاں۔ لاہور: ہم آقبال، ۲۰۰۱ء۔
- نکلسن، آراے۔ *The Secrets of the Self*۔ لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۲ء۔
- وحید الدین، فقیر سید۔ روزگار فقیر۔ جلد دوم۔ لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء۔